ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

قاضی عبدالودود کی تحقیقی و تدوینی خدمات

Qazi Abdul Wadood's Research and Editing Services

☆رانا حسین ناہر خاں
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج سول لائنز لاہور
☆☆عبدالرحیم
لیکچرار شعبہ اُردو گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج سول لائنز لاہور
☆☆☆قربان علی
لیکچرار شعبہ اُردو گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج سول لائنز لاہور

ABSTRACT:
The name of Qazi Abdul Wadood does not need any introduction in history of Urdu Research and Editing. As a result of his research and editing Services, his Contemporaries remember him as a Teacher of reserachers, Warner to heedless and a personality who has qualities of lexicographer. This article highlights his services in the fields of research and editing.

Keywords: *Qazi Abdul Wadood, Researcher, Editor, Mistakes, Contem Poraries, Research and Editing Problems, Fair Comments, Articles, Law of Evidence.*

کلیدی الفاظ: قاضی عبدالودود، محقق، مدون، تسامحات، معاصرین، تحقیقی و تدوینی مشکلات، بے لاگ تبصرے، مقالات، قانونِ شہادت

ملخص: تحقیق و تدوین کے میدان میں قاضی عبدالودود کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ان شعبوں میں اُن کی اعلیٰ علمی و ادبی بصیرت کی بنیاد پر ان کے ہم عصر انھیں معلم المحققین، تبنہیہ الغافلین اور قاموسی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ یہ مقالہ ان کی انھی خدمات پر روشنی ڈالتا ہے۔

تحقیق کا کام حقائق کی بازیافت ہے اور تدوین اُن حقائق کو قارئین تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ تدوین میں ان احتیاطوں کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے جن کی وجہ سے اصل متن کو مصنف کی منشا کے مطابق پیش کیا جاتا ہے۔ اُردو کی تحقیق و تدوین میں ایک اہم نام قاضی عبدالودود ہے جنھیں اُن کی تحقیقی خدمات کے نتیجے میں کبھی معلم المحققین کے نام سے تو کبھی تبنہیہ الغافلین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پروفیسر محمد حسن نے تو انھیں قاموسی شخصیت قرار دیا ہے۔

قاضی صاحب تحقیقی لحاظ سے انتہائی سخت نقطہ نظر کے قائل تھے۔ تحقیقی اُصولوں کے لحاظ سے چوں کہ اُن کا نقطہ نظر واضح تھا اس لیے وہ کسی بھی قسم کی کمی کوتاہی کو معاف یا نظر انداز کرنے کے مرتکب نہیں ہوئے اس لیے وہ محقق سے توقع رکھتے تھے کہ وہ محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی تعصبات سے بھی مبرا ہو۔ وہ متمول تھے، شہرت سے دور بھاگتے تھے لہٰذا محقق کو بھی اس خواہش سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ انھوں نے خود ہی اپنے بہت سے مضامین کو یک جنبش بہ قلم مسترد کر دیا کہ وہ عجلت میں لکھے گئے تھے۔ وہ یادداشت پر بھروسہ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ اس ضمن میں اُن کا خیال تھا کہ یادداشت اکثر و بیش تر انسان کو دھوکہ دے جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان کو خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھوں نے ادب کی تمام اصناف نثر، شاعری، تذکرہ، تاریخ، سوانح، لسانیات، لغت، قواعد وغیرہ پر تحقیق کر کے اس کی وقعت میں اضافہ کیا۔ انھوں نے تحقیق میں غیر معتبر حوالوں، غیر ثقہ متون سے بچنے کے ساتھ احتیاط کو اپنانے کی روش ڈالی۔ انھوں نے اس میدان کے اکابر کے کاموں کو بھی اپنی حق گوئی، غیر جانب داری، دوٹوک بات کہنے کی کسوٹی پر پرکھا جس سے اُن اکابر کے تعمیر کردہ تحقیقی محل ریت کے ٹیلوں کی مانند زمین بوس ہوتے چلے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کی تحقیق سب سے زیادہ قاضی عبدالودود سے متاثر ہوئی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

> ”اگر یہ کہا جائے کہ یہ دور قاضی عبدالودود کا ہے تو غلط نہیں ہو گا۔ قاضی صاحب نے آزادی سے قبل لکھنا شروع کر دیا تھا۔ انجمن ترقی اُردو ہند نے اُن کا مرتبہ دیوان جوشش بھی چھاپا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزادی سے قبل انھوں نے اُردو ادب میں کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں کی ہے۔ قاضی صاحب نے خود بھی بہت کچھ لکھا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا لیکن اُردو تحقیق میں اُن کا مقام اُن کے تبصروں کی وجہ سے ہے۔ قاضی صاحب نے 'دیوان فائز' (مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب)، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کی 'میر تقی میر'، ڈاکٹر اختر اورینوی کی 'بہار میں اُردو زبان و ادب کا ارتقاء'، پروفیسر نور الحسن ہاشمی کی 'دلی کا دبستانِ شاعری'، ڈاکٹر ممتاز احمد کی مرتبہ 'مثنویاتِ راسخ' پر تبصرے کیے۔ ان کے علاوہ انھوں نے 'غالب' بحیثیت محقق، 'آزاد' بحیثیت محقق اور 'عبدالحق' بحیثیت محقق جیسے مضامین سے تحقیق کے معیار قائم کیے اور بتایا کہ حقائق کی چھان بین اور واقعات کے بیان میں کس قدر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔“ [۱]

ڈاکٹر خلیق انجم نے قاضی عبدالودود کے تحقیق و تدوین کے کام کی مزید تفصیل دی ہے جو کچھ اس طرح سے ہے۔

> ”تذکرہ ابن طوفان غالباً پہلا تذکرہ ہے جو آزادی کے بعد ۱۹۵۴ء میں ہندوستان میں چھپا۔ اس کے مرتب قاضی عبدالودود ہیں۔ ہندوستان میں قاضی عبدالودود اور پاکستان میں نگار کے تذکروں کا تذکرہ نمبر اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب 'اُردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری' نے بہت اہم رول ادا کیا۔ قاضی عبدالودود نے اُردو اور فارسی شاعروں کے تذکروں پر تنقیدی یا تعارفی مضامین لکھے ہیں۔ انھوں نے آبِ حیات اور مولانا محمد حسین آزاد پر معاصر (پٹنہ) اور نوائے ادب (بمبئی) میں تنقیدی مضامین لکھے جنھیں اب خدابخش لائبریری نے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ قاضی صاحب نے خاتمہ خلاصۃ الافکار (نوائے ادب بمبئی جولائی ۱۹۵۱ء اور اکتوبر ۱۹۵۱ء)، آبِ حیات اور طبقات الشعراء (معاصر پٹنہ حصہ ۴)، آبِ حیات کے دو ماخذ (معاصر پٹنہ حصہ اوّل)، آزاد بحیثیت محقق (تین قسطوں میں نوائے ادب بمبئی اپریل ۱۹۵۶ء جولائی

> ۱۹۵۶ء اکتوبر ۱۹۵۶ء)، اقتباس سفینہ خوش گو (نوائے ادب بمبئی جولائی ۱۹۵۷ء)، تذکرہ صادقہ اور لسان الصدق (ماہنامہ آج کل دہلی جون ۱۹۵۹ء)، بیدل اور تذکرہ خوش گو (معارف، اعظم گڑھ مئی ۱۹۴۲ء اور جولائی ۱۹۴۲ء)، تذکرۃ الابرار (معاصر پٹنہ حصہ ۱۸)، روزِ روشن، شعرائے فارسی گو کا ایک تذکرہ (بہار کی خبریں، آزادی نمبر ۱۹۶۱ء)، سفینہ ہندی (نوائے ادب بمبئی اکتوبر ۱۹۵۷ء)، عمدہ منتخبہ یعنی تذکرہ سرور (اشتر و سوزن)، طبقات الشعرائے ہند (معاصر پٹنہ حصہ ۹)، فارسی تذکرے اور ریختہ گو شعراء (نوائے ادب بمبئی اپریل ۱۹۵۷ء)، کریم الدین اور گارساں دتاسی (دلی کالج میگزین ۱۹۵۳ء)، گلدستہ شعراء پٹنہ (معاصر پٹنہ حصہ ۱۴)، گلستانِ سخن (دلی کالج میگزین ۱۹۵۳ء)، گلشنِ سخن (معاصر پٹنہ حصہ ۲۷)، قاضی صاحب نے ابوالحسن کا تذکرہ مسرت افزاء پانچ قسطوں میں شائع کیا (معاصر پٹنہ حصہ ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۴)۔ ''[۲]

قاضی عبدالودود کے اس نوع کے تحقیقی کاموں سے دیگر محققین کو بھی تذکروں پر تحقیق کرنے کی تحریک ملی۔ اُن کے زیرِ اثر مرتب ہونے والے تذکروں میں اُن کے مرتب کنندگان کی نامکمل فہرست ملاحظہ ہو:

> ''عطاء الرحمن کاکوی نے بھگوان داس ہندی کا تذکرہ 'سفینۂ ہندی'، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اعظم الدولہ میر محمد خان سرور کا عمدہ منتخبہ (دہلی ۱۹۶۱ء)، پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب نے مردان علی خان مبتلا لکھنوی کا گلشن سخن (علی گڑھ ۱۹۶۵ء)، ڈاکٹر مختار الدین احمد نے سیّد حیدر بخش حیدری کا گلشنِ ہند (دلی ۱۹۶۷ء)، پروفیسر نثار احمد فاروقی نے قدرت اللہ شوق کا طبقات الشعراء اور قیام الدین حسرت آبادی کا مقالاتِ الشعراء (دلی ۱۹۶۸ء) اور تین تذکرے جن میں لچھمی نرائن شفیق کا 'گل رعنا'، شاہ محمد کمال کا 'مجمع الانتخاب' اور قدرت اللہ شوق کا 'طبقات الشعراء' شامل تھے (دہلی ۱۹۶۸ء) مرتب کر کے شائع کیا۔ ''[۳]

جمیل احمد خان نے قاضی عبدالودود کی مدون کتب اور مقالات کا اشاریہ مرتب کیا ہے جو پروفیسر نذیر احمد کی کتاب قاضی عبدالودود تحقیقی و تنقیدی جائزے میں شامل ہے۔ جمیل احمد خان نے ترتیب و تدوین کے عنوان کے تحت اس کی درج ذیل تفصیلات دی ہیں:

☆ عیارستان

۱۔ تین کتابوں پر مفصل تبصرے ہیں۔ میر تقی میر حیات اور شاعری از خواجہ احمد فاروقی، دیوان فائز دہلوی مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب، مرقع شعراء مرتبہ رام بابو سکسینہ۔

☆ اشتر وسوزن

۲۔ دو کتابوں پر تبصرے ہیں۔ عمدہ منتخبہ یعنی تذکرہ سرور اور شاد کی کہانی شاد کی زبانی۔

تذکرۂ شعراء

۳۔ مصنفہ ابن امین اللہ طوفان

۴۔ دیوان جوشش عظیم آبادی

۵۔ قاطع بُرہان و رسائل متعلقہ

۶۔ قطعاتِ دلدار، دلدار بیگ دلدار، بہار کے قدیم اُردو شاعر کا کلام

۷۔ آثارِ غالب، آثارِ غالب کا بہت بڑا حصہ قلمی کتابوں سے لیا گیا ہے، جو کتابیں اس وقت دست رس سے باہر ہیں، جس میں فارسی خطوط حکیم حبیب الرحمن مرحوم کے ایک قلمی مجموعے سے ماخوذ ہیں۔

۸۔ خطبہ افتتاحیہ بین الاقوامی غالب سیمینار

۹۔ شہر آشوب قلق[۴]

جمیل احمد خان نے قاضی عبدالودود کے مقالات کا اشاریہ میں تقریباً ۲۹۰ مقالات کی معلومات درج کی ہیں جن میں اکثر و بیش تر مقالات سہ ماہی ''نوائے ادب'' علی گڑھ، ''نقوش'' لاہور، ''خدا بخش لائبریری جرنل'' پٹنہ، ماہ نامہ ''معاصر'' پٹنہ، ماہ نامہ ''معیار'' بانکی پور پٹنہ، ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ کے ذریعے چھپ کر تحقیق و تدوین کے طالب علموں تک پہنچے ہیں۔ ان مقالات نے اُن طلباء کی ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ تحقیقی سرگرمیوں میں بھی اُن کی راہ نمائی کی ہے جس کی بدولت افراد اس قابل ہوئے ہیں کہ اپنی بات کو دلیل کے ساتھ دوسروں کے سامنے پیش کر سکیں۔ اسی طرح جب وہ کسی تحریر یا تخلیقی فن پارے کا جائزہ لیتے ہیں تو ان غلطیوں کو بھی سامنے لاتے ہیں جنھیں سابقہ محققین نے دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کیا ہے۔ اس طرح تحقیق کے طالب علم تحقیقی عمل میں کسی تدوین کے عمل کے نقائص بیان کرتے ہوئے اُسلوب اور لب و لہجہ وہی اپناتے ہیں جن کی ترویج کے لیے قاضی عبدالودود نے اپنا پتہ پانی کیا۔ وہ یہی ہے کہ تحقیق میں شاعرانہ رنگیں بیانی اور داستانوی انداز تحقیق کی وقعت کو کم کر دیتا ہے۔ قاضی عبدالودود اس لحاظ سے بھی قابل ستائش ہیں۔ قاضی صاحب کا انداز ملاحظہ ہو:

> ''ڈاکٹر مختار الدین احمد نے پٹنہ کی ادبی شخصیتوں پر جو مقالہ 'نقوش' میں تحریر کیا تھا اس میں جناب شاہ محمد حسن بسمل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ داغ کے شاگرد تھے۔ اُن سے اُن کی ملاقات ہو گی اور مشاعروں میں بھی دیکھا ہو گا لیکن وہ نظر تو نہیں آئی کہ داغ کے شاگرد سمجھے جا سکیں اور وہ میرے رشتہ دار ہیں اور کسی زمانے میں ہم محلہ بھی تھے۔ داغ کی وفات کے وقت وہ تین چار سال کے ہوں گے، اُستادی شاگردی کا کیا سوال ہے؟ قیس مرحوم نے شاد عظیم آبادی پر جو کتاب لکھی ہے اس میں انھوں نے شاگردِ شاد بتایا ہے اور یہی صحیح ہے۔ ''[۵]

قاضی صاحب کے تبصرے خاصے کی چیزیں ہیں۔ اُن کے تبصروں کا اُن کے معاصرین کو اس لحاظ سے انتظار رہا ہے کہ جب کبھی اُن کے معاصرین کی کوئی کتاب منصہ شہود پر آتی ہے تو قاضی صاحب کے تبصروں میں اگر اس کتاب سے متعلق تحسین کے کلمات ہیں تو وہ اس کے مصنف کے لیے باعث اطمینان ہے۔ اگر اس میں شدید تنقید کے ساتھ غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے تو وہ نہ صرف اُن کی کتاب کی بل کہ اس مصنف کی وقعت کم کرنے کا باعث ہے۔ اس لحاظ سے قاضی صاحب کے تبصرے پڑھنے والوں پر علم اور معلومات کے در وا کرنے کا باعث ہیں۔ ایک شخص کئی سالوں کی ریاضت

کے بعد ایک خاص موضوع پر اپنے مضامین کو ترتیب دے کر کتابی صورت میں پیش کرنے کے قابل ہوتا ہے جب کہ قاضی صاحب بڑی سہولت سے اس کی کمی و کوتاہی کی نشان دہی کرتے ہوئے ان معلومات میں اضافہ بھی کرتے چلے جاتے ہیں کہ صاحب مضمون انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اُس کے پاس قاضی صاحب کے تبحر علمی کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ مولوی عبد الحق نے مقدمہ ''خطباتِ گارساں دتاسی'' میں لکھا ہے کہ:

> ''اس میں (تذکروں کے مقابلے میں) زیادہ تحقیق و تنقید سے کام لیا ہے۔ ایک بات جو ہمارے تذکروں میں مفقود ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ہر مصنف یا شاعر کے کلام سے بعض ایسے نتائج اور معلومات اخذ کیے ہیں جن سے اُن کی زندگی اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب میں جا بہ جا غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سی ایسی معلومات ظہور میں نہیں آئی تھیں جو اس وقت ہماری دست رس میں ہیں۔ دوسرے وہ آخر غیر ملک کا شخص تھا اور کبھی ہندوستان آنے کا اسے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس سے ہمارے ادب اور ہمارے معاملات کو سمجھنے میں کہیں کہیں غلطی کا سرزد ہو جانا تعجب کی بات نہیں۔ تعجب اس پر ہے کہ اس اجنبی محض نے پیرس میں بیٹھ کر ایسی بے مثل اور عجیب کتاب لکھ ڈالی۔'' [٦]

تبصرہ ملاحظہ ہو:

> ''تاریخ ادبیات ۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور ایک ایسی زبان ہے جس سے ڈاکٹر عبد الحق قطعاً نا آشنا ہیں مگر یہ بات اس سے مانع نہ آئی کہ وہ اس کے متعلق اس طرح اظہارِ رائے کریں کہ گویا اس کا لفظ لفظ ان کی نظر سے گزر چکا ہے۔ یہ 'بے مثل' نہ ہو مگر 'عجیب' ضرور ہے۔ وہ ایک ایسی کتاب کے بارے میں جو اغلاط سے بھری ہوئی ہے یہ لکھتے ہیں کہ اس میں جا بہ جا غلطیاں ہیں۔ کثرتِ اغلاط کی محض یہ وجہ نہیں کہ جس زمانے میں وہ وجود میں آئی ہے، بہت سی باتیں جو اب منظر عام پر آئی ہیں، پردۂ اخفاء میں تھیں اور دتاسی کو ہندوستان آنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر بے پرواواقع ہوا تھا۔ اُردو فارسی سے معمولی واقفیت رکھتا تھا اور جو مواد اس کے پیش نظر تھا اس سے بھی اچھی طرح کام لے سکتا تھا۔'' [٧]

اس طرح تبصرہ کرنے کے بعد قاضی عبد الودود نے گارساں دتاسی کی ۸۰ غلطیوں کو دلیل کے ساتھ موضوع بحث بنایا ہے اور مزید اس میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ خطبات گارساں دتاسی جسے فرانسیسی زبان میں مرتب کیا گیا ہے اس کی تصحیح فرانسیسی زبان کو جانے بغیر بھی کی جا سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ترجمہ کرنے والوں نے اپنی طرف سے اضافے بھی کر دیئے ہیں۔ عبارتوں میں مخصوص الفاظ کا ترجمہ نہیں ہوا اور اس ضمن میں قاضی عبد الودود نے محشیوں کی اٹھارہ خامیاں گنوائی ہیں۔ یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب خطبات گارساں دتاسی کا مطالعہ کیا ہو۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قاضی عبد الودود، گارساں دتاسی کے خطبات کا مطالعہ کر چکے تھے۔ قاضی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> ''فرانسیسی کتاب میری نظر سے گزری ہے مگر اس وقت پیش نظر نہیں، میں نے محض چند خطبات کے ترجمے کا اصل سے مقابلہ کیا تھا، میں سب کے متعلق رائے نہیں دے سکتا۔'' [٨]

مولوی عبد الحق نے ''نکات الشعراء'' جسے میر تقی میر نے مرتب کیا اس کے پیش لفظ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مذکورہ تذکرہ اس زمانے کے رواج کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے جس کی رو سے اس میں شعراء کے کلام پر نہ صرف منصفانہ بل کہ بے باکانہ تنقید کی گئی ہے۔ یہ بات دوسرے تذکروں میں مفقود ہے۔ اس تذکرے میں ایجاز کے ساتھ ساتھ عبارت میں شگفتگی و پختگی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے قاضی عبد الودود کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''نکات کے ۱۰۳ شعراء میں سے صرف ۱۳ ایسے ہیں جن کے کلام کی نسبت میر کی رائے ''بیباکانہ'' کہی جا سکتی ہے۔ اس موقع پر قاضی عبد الودود نے یکروؔ، یقینؔ، عاجزؔ، فضلیؔ، داؤدؔ، محمد علی حشمتؔ، تاباںؔ، خاکسارؔ۔ قدرؔ، عاجزؔ، عشاقؔ، قدرتؔ کے نام بارہ شعراء کے حوالے سے میرؔ کی فارسی عبارتوں سے اقتباسات نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ بیشتر کلام کے بارے میں کوئی رائے ہی ظاہر نہیں کی، بہتوں کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کے لیے مطلقاً بے باکی کی ضرورت نہ تھی۔'' [٩]

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے ایک عمر کی ریاضت کے بعد دیوان فائز مرتب کیا۔ اس کے مقدمے میں اپنی تحقیقی و تدوینی مشکلات قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ فائز کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ قاضی صاحب نے اس دیوان پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:

> ''اعتراف کیا گیا ہے کہ زبردست خاں پدرِ فائز کا نام معلوم نہ ہو سکا۔۔۔ تاریخ محمدی میں زیر عنوان ۱۱۲۵ مرقوم ہے ''محمد خلیل، مخاطب بہ زبردست خاں، ثم بر علی مردان خاں، ابن ابراہیم خاں ابن امیر الامراء علی مردان خان۔۔۔۔'' [١٠]

اس تبصرے میں قاضی صاحب نے محض خامیوں کی نشان دہی نہیں کی بل کہ اُن خامیوں کے تدارک کے لیے ذرائع بتا دیئے ہیں کہ کس طرح ان سے مدد لیتے ہوئے زبردست خاں پدرِ فائز کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ خواجہ احمد فاروقی کی کتاب میر تقی میر پر بھی قاضی عبد الودود نے نہایت پُر مغز تبصرہ تحریر کیا۔ اس میں قاضی صاحب نے ایک بات لکھی ہے کہ:

> ''اصلی ماخذ موجود ہیں تو انھی سے کام لینا چاہئے، مصنف نے اس قاعدے کو بہت جگہ بے سبب نظر انداز کیا ہے۔
>
> (۱) ریاض الفصحا قدیم ترین کتاب ہے جس میں عرش کا حال ملتا ہے اور یہ فہرست ماخذ میں مندرج ہے لیکن عرش کے ترجمے میں مصنف نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا کہ ریاض میں اُن کا حال ہے۔
>
> (۲) جرأتؔ و میرؔ کی جو حکایت آبِ حیات میں ہے اسے مصنف نے کریم الدین کے تذکرے سے نقل کر کے یہ اضافہ کیا ہے کہ ''قاسمؔ نے۔۔۔ جرأتؔ۔۔۔ کے ترجمے میں اس واقعہ کو بھی نقل کیا ہے۔'' (ص (۲۵۶)
>
> حالانکہ حکایت کا واحد اصلی ماخذ تذکرہ قاسم اور کریم الدین و آزاد دونوں نے اسے اسی تذکرے سے لیا ہے۔ مصنف نے فہرست مآخذ میں تذکرہ قاسم کا زمانہ تصنیف بھی نہیں بتایا۔ ناواقف اصحاب اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ قاسم کا ماخذ تذکرہ کریم الدین ہے۔'' [١١]

ان اعتراضات کے پیشِ نظر جو محولہ بالا اقتباس میں اُٹھائے گئے ہیں اُن کی رو سے یہ بات با آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ تحقیقی و تدوینی کام کے دوران حوالہ جات قارئین اور محققین کو اُس تحقیقی کام کے ماخذ کو سمجھنے کے ساتھ تحریر میں موجود ابہام کو دور کرنے کا باعث بھی بنتے ہیں۔ تحقیق میں بنیادی ماخذ کی اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

قاضی عبدالودود سے بہت سے لوگ متاثر ہیں اور تحقیق کے میدان میں انھیں مینارہ نور سمجھتے ہوئے اپنی منزل کے تعین میں اُن سے رُہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تحقیق کے شعبہ میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اُن سے اور اُن کے بے لاگ تبصروں سے ہمیشہ ہی خائف رہا ہے۔ اُن کے پاس قاضی صاحب کے اُٹھائے گئے اعتراضات کے جواب میں جب کچھ نہیں بن پڑتا تو وہ عذر ہائے لنگ تراشتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ قاضی صاحب نے محض تبصرے ہی تو کیے ہیں، انھوں نے کوئی باقاعدہ کتاب تو لکھی نہیں۔ اگر یہ لوگ ذرا تامل سے اپنے سوال کا جائزہ لیں تو بات واضح ہو جائے گی کہ اُن کے مضامین اور تبصروں کو اگر ترتیب دیا جائے تو ایک نہیں بہت سی دقیع کتابیں وجود میں آسکتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ قاضی عبدالودود کوئی کتاب کیوں نہ تصنیف کر سکے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی صاحب صلہ و ستائش کی تمنا کے بغیر اپنے تحقیقی و تدوینی کام میں مصروفِ عمل رہے تو اس کی دوسری سب سے بڑی وجہ اُن کے مزاج کی Perfectionism تکمیلیت تھی۔ وہ اپنے تحقیقی مضامین اور تبصروں کو آرنلڈ کے اس قول "Let us Keep our Standard high" کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے تبصروں اور تحقیقی مضامین میں خود ہی بہتری کے امکانات دیکھنے کے خواہاں تھے۔ بقول شاعر:

بنا بنا کے مٹاتا ہے شاہکار میرے
یہ کیسا عیب ہے دست ہنر میں رکھا ہوا [۱۲]

اس لیے اس تکمیلیت کی خواہش کے ہاتھوں انھوں نے اپنے کئی مضامین کو چھپوانے میں تامل کا مظاہرہ کیا۔ دوسرے لوگوں کی طرح کاتا اور لے دوڑی کے مصداق عمل نہ کیا۔ قاضی صاحب کے تبصروں میں حق گوئی کے ساتھ ساتھ گہرے طنز کے نشتر بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں جو ایک طرف صاحب مضمون کے دل و دماغ پر گہرے اَن مٹ نقوش مرتسم کر جاتے ہیں تو دوسری طرف اُن کی اصلاح کا باعث بھی بنتے ہیں۔ قاضی صاحب کے تبصروں کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ وُہ ایک رسالے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس کے مقاصد مسلمانوں میں اصلاحیں لانا ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غزلوں کی اشاعت کس طرح مسلمانوں کی اصلاح میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔" [۱۳]

ایک اور رسالے پر جس میں اغلاط بکثرت تھے، وُہ لکھتے ہیں:

"اگر اوسط فی صفحہ دو بھی رکھا جائے تو اغلاط کی تعداد ۳۲۴ ہوتی ہے۔ رسالے کا صحیح چھپوانا اگر ممکن نہیں تو غلط نامہ ہی شامل کر دیا ہوتا، پڑھنے میں اتنی الجھن تو نہ ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غلط نامے کی صورت دیکھتے ہی بھڑک اُٹھتے ہیں لیکن سننے میں آیا ہے کہ اب اس کا علاج با آسانی ہو جاتا ہے۔" [۱۴]

قاضی عبدالودود کے دوٹوک بات کو بیان کر دینے کے اندازِ تحقیق میں غیر جانب داری کو ہاتھ سے نہ جانے دینے کے سمجھوتے نے تحقیق کے میدان کے اکثر شاہ سواروں کو اُن کے خلاف کھڑا کر دیا۔ تحقیق میں تعمیری، تخریبی، مثبت اور منفی تحقیق کی اصطلاحات دراصل انھی کرم فرماؤں کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان صاحبانِ علم و حکمت نے تعمیری تحقیق کی اصطلاح پر روشنی ڈال کر تخریبی تحقیق کی اصطلاح کو ادب کے قارئین اور طالب علموں کے لیے چھوڑ دیا ہے تاکہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی جب تعمیری تحقیق کی وضاحت کر دی جائے گی تو لوگ اس کے متضاد تخریبی تحقیق کی اصطلاح کے لیے خود بخود گنجائش پیدا کر لیں گے۔ تعمیری تحقیق کی اصطلاح دراصل تعمیری ادب کی اصطلاح جو ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۰ء کے عرصہ کے دوران وضع کی گئی کی طرز پر وجود میں لائی گئیں۔ اس طرح تعمیری ادب، وہ ادب ہو گا جس میں حکومت کے ترقیاتی کاموں سڑکوں، کارخانوں، راشن کی دوکانوں پر عام مارکیٹ سے سستا سامان خورد و نوش میسر آنے پر ان سنہری کارناموں کا ذکر ادب، افسانے، ڈرامے، شاعری اور دیگر اصناف میں بہ بانگ دہل کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس جب ادیب اپنے گرد و پیش میں پھیلی ناانصافی، ظلم، زیادتی، برائی اور حکومتی حلقوں کی بعض مسائل میں سرد مہری کو اپنی تحریروں کا موضوع بنائے گا تو وہ تخریبی ادب کی تشکیل کا مرتکب ہو گا۔ اس طرح ادب میں وضع کردہ غیر ادبی اور غیر علمی اصطلاحیں بھی چند رسالوں ہی میں دم توڑ گئیں۔

تحقیق کے سلسلے میں قاضی صاحب کو مثبت اور منفی صفات سے ملا کر اُن کی تصویر میں رنگ بھرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ جب قاضی صاحب نے اہل علم و ادب کی جن تخلیقات و نگارشات کا جائزہ لے کر اُن میں پائی جانے والی خامیوں، کوتاہیوں کو موضوع بحث بنایا تو اس کا ردِ عمل ہونا ایک فطری عمل تھا۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قاضی صاحب جب کوتاہیوں اور خامیوں کے ضمن میں بات کرتے ہیں تو اُن کا زورِ قلم اس روش پر چلتا ہی چلا جاتا ہے اور طویل فاصلہ طے کرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوتا جب کہ اگر کسی کی تخلیق یا نگارش کی تعریف کرنی مقصود ہو تو قاضی صاحب اس باب میں دو چار کلمات سے آگے نہیں جا پاتے۔ خوشامد، چاپلوسی اور جی حضوری نے انسانی دماغوں کو وہ خراب کیا ہے کہ اس کے بغیر دوسرے کا وجود ہی ہضم نہیں ہوتا۔ اسی لیے لوگوں نے قاضی صاحب کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ قاضی صاحب تو ہر وقت عیب ہی نکالتے رہتے ہیں۔ اُن کا اندازِ نظر منفی ہے، وہ انتہائی سخت گیر ہیں۔ جب کہ سخت گیری کی وجہ اُن کی بیماری ہے جس کے تحت وہ سات سال تک صاحبِ فراش رہے۔ لوگوں سے رابطہ منقطع ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ انھی لوگوں نے تحقیق کے ضمن میں مثبت و منفی الفاظ کو استعمال کیا اور اس کے ساتھ ساتھ تعمیری تحقیق کا ڈھول بھی پیٹا جس کا مقصد تحقیق کے طالب علموں کو قاضی عبدالودود کی شخصیت، اُن کے علمی و ادبی کارناموں سے متنفر کرنا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب یہ لوگ اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہوئے تو انھوں نے اپنے منفی پروپیگنڈے کے دو مزید نئے والیم مثبت یا تعمیری اور منفی یا تخریبی تحقیق کو متعارف کروایا۔ مثبت یا تعمیری تحقیق کے تحت کوئی کتاب، نگارش اور مقالہ تحریر کیا جاتا ہے جب کہ منفی یا تخریبی تحقیق کے تابع وہ تبصرے آتے ہیں جو نگارشات و تخلیقات کی بخیہ گری کا کام کرتے ہیں جن سے اُن تخلیقات و نگارشات کے مصنفین کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جاتے ہیں۔ ان قائم کردہ خود ساختہ پروپیگنڈوں کا واحد مقصد جہاں قاضی صاحب کے تبصروں کی اہمیت کو کم کرنا تھا وہاں تحقیق کے طالب علموں کو ان تبصروں سے بدظن کرنا بھی تھا۔ اس طرح نہ صرف لوگ اُن کے خلاف ہو جاتے بل کہ وہ تبصروں کو پڑھنے سے بھی گریز کرتے۔ یہ عمل جہاں فاضل مصنفین کی خامیوں کی پردہ پوشی کرتا وہاں لوگوں کو اُن معلومات اور علم سے بھی محروم کر دیتا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قاضی صاحب کا ہر طویل تبصرہ ایک کتاب کا درجہ رکھتا ہے اور اس کے ذریعے تحقیق کے میدان کی سنگلاخ وادیوں کو سر کرنے کے طریقے بھی ہاتھ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان باتوں سے قاضی صاحب کے

بارے میں یہ تاثر بھی پروان چڑھتا ہے کہ اُنھوں نے زندگی بھر صرف چند تبصرے لکھے ہیں۔ آوارہ گرد اشعار، جہانِ غالب، تعین زمانہ جیسے مستقل سلسلے، غالب بحیثیت محقق یا عبدالحق بحیثیت محقق جیسے مقالے اپنے اندر معلومات کی ایک وسیع دُنیا سموئے ہوئے ہیں۔ مخالفین کے انھی منفی ہتھکنڈوں کی وجہ سے تحقیق اور اس کے طالب علم دونوں برابر نقصان اُٹھاتے رہے ہیں۔

مزید برآں قاضی صاحب نے میرؔ، انشاءؔ، مصحفیؔ، جرأتؔ، غالبؔ اور سوداؔ وغیرہ سے متعلق اس قدر لکھا اور اتنی معلومات فراہم کیں کہ وہ مواد کئی کتابوں کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف یہ بل کہ بہت سے تحقیق و ادب کے طالب علموں نے اُن سے استفادہ کیا اور اب تک اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ کلیاتِ سوداہی کو لے لیں جو مصطفائی پریس نے شائع کی اُس پر قاضی صاحب نے ایک جامع مضمون قلم بند کیا۔ اس میں اتنی معلومات کو سمو دیا گیا کہ وہ اب بھی اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود مستند و مسلم ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، قاضی عبدالودود کے طرزِ تحقیق کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے مضمون ''اُردو میں تحقیق کی روایت اور قاضی عبدالودود'' میں اُن کے بارے میں اظہارِ خیال ان لفظوں میں کیا ہے:

> ''قاضی صاحب نے کوئی مربوط مستقل کام نہیں کیا۔ ترتیب و تدوین میں نمونہ بھی پیش کیا تو قطعاتِ دلدار کا جس کی کوئی ادبی یا تاریخی اہمیت نہیں ہے۔ اگر وہ تذکرہ مسرت افزاء پر حواشی لکھتے تو یہ زیادہ مفید کام ہوتا۔'' [۱۵]

ڈاکٹر گیان چند جین نے قاضی عبدالودود کے بارے میں اپنی رائے اس طرح پیش کی ہے کہ:

> ''قاضی عبدالودود اُردو کے چوٹی کے محقق ہیں۔ یہ اعتراف کرنا ہو گا کہ اُردو تحقیق کو انھوں نے جتنا متاثر کیا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کیا۔ انھوں نے زعمائے ادب کے تسامحات کی گرفت کر کے حزم و احتیاط کا درس دیا لیکن قاضی صاحب محترم میں بعض ایسی کمیاں بھی ہیں جو دوسرے بڑے محققوں میں نہیں۔ مثلاً موضوع کے انتخاب میں اہم اور غیر اہم میں امتیاز نہیں کر پانا، مضمون کی تسوید میں انتہائی بے ترتیبی اور انتشار، مخففات کے غیر معتدل استعمال کی وجہ سے عبارت کو چیستاں بنا دینا، بے رس اسلوبِ نگارش وغیرہ۔'' [۱۶]

ان سب اعتراضات کے جواب میں رشید حسن خاں نے اپنی بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

> ''اپنے بزرگوں سے تو مجھے کچھ نہیں کہنا ہے کیوں کہ ان حضرات نے سب کچھ جاننے کے باوجود ایک خاص جذبے کے تحت ایک خیال باطل کو پھیلایا ہے، جو لوگ ابھی تازہ واردِ بساطِ تحقیق ہیں اور سیکھنے سمجھنے کی صلاحیت ساتھ لے کر آئے ہیں اُن سے مجھ کچھ کہنا ہے کہ آپ کو قاضی صاحب کے جتنے تبصرے مل سکیں انھیں نہایت غور کے ساتھ دل لگا کر اور نظر جما کر پڑھ جایئے، آپ کو جہاں بہت سی نئی باتیں معلوم ہوں گی وہاں پر یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ قاضی صاحب نے اپنے تبصروں میں صرف اعتراضات نہیں کیے ہیں، صرف غلطیاں نہیں نکالی ہیں، صحیح بات کو بھی بتایا ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ اگر غلط ہے تو کیا لکھنا چاہئے تھا؟ یہ بات کبھی تو صاف صاف لکھی ہے اور کبھی بالواسطہ انداز سے اس کی تلقین کی ہے یعنی وہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ سفید کو نمایاں کرنے کے لیے سیاہ کو سامنے رکھ دیا جائے۔ جب آپ ان تبصروں کو پڑھیں گے تب آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ اب تک کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار رہے ہیں اور بہکانے والوں نے آپ کو کس قدر وسیع معلومات سے محروم رکھنے کا انتظام کر دیا تھا۔'' [۱۷]

قاضی صاحب کے تبصروں اور مقالات نے جہاں حق گوئی، غیر جانب داری کی فضا کو ہموار کیا وہاں انھوں نے تقلید کی نفی بھی کی۔ جان بوجھ کر حقائق کی پردہ پوشی کرنا، خاموش رہنا اور دیگر مصلحتوں کا پردہ چاک کیا۔ وہ قانونِ شہادت جیسے مضمون کی اہمیت سے واقف تھے اس لیے انھوں نے تحقیق میں نہ صرف اس کو رواج دیا بل کہ وُہ دلیل کے بغیر کسی بھی بات کو ماننے کے لیے تیار بھی نہ ہوتے۔ تحقیق کے اسی معیار کی بدولت اُن کی تحقیقی و تدوینی مضامین، تبصروں اور مقالات کو سند کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ بات قاضی صاحب کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، ''ہندوستان میں ـــــ اُردو تحقیق اور تدوین کا کام''، مشمولہ اُردو میں اُصولِ تحقیق (جلد دوئم)، مرتبہ: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، اسلام آباد: ورڈویژن پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۳

۲۔ ایضاً، ص ۱۸۶۔۱۸۷

۳۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۴۔ جمیل احمد خاں، ''قاضی عبدالودود کے مقالات کا اشاریہ''، مشمولہ قاضی عبد الودود ---- تحقیقی و تنقیدی جائزے، مرتبہ: پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۴۰۔۲۴۸

۵۔ شبیر احمد، ڈاکٹر، قادری، ''اُصول تحقیق اور قاضی عبدالودود''، مشمولہ تخلیقی ادب، شمارہ سات، اسلام آباد: نمل یونیورسٹی، س۔ن، ص ۱۱۶

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً، ص ۱۱۷

۱۰۔ رشید حسن خاں، تدوین تحقیق روایت، نئی دہلی: اے ایس پرنٹرز، ۱۹۹۹ء، ص ۲۱۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۱۲۔ سعود عثمانی، قوس، لاہور: کُتب نما پبلشرز، بک سیلرز، ۱۹۹۷ء، ص ۷۳

۱۳۔ عابد رضا، ڈاکٹر، بیدار، ”دو ہم آہنگ محقق“، مشمولہ قاضی عبد الودود ---- تحقیقی و تنقیدی جائزے، مرتبہ: پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۱

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ گیان چند جین، قاضی عبد الودود ---- بحیثیت مرتبِ متن، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص ۱۴

۱۶۔ ایضاً، ص ۷

۱۷۔ رشید حسن خاں، تدوین تحقیق روایت، ص ۲۱۵۔۲۱۶